# اعتبار ہے شرط

عائشہ خان

# اعتبار ہے شرط

## عائشہ خان

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام





مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

# اعتبار ہے شرط

بہار کے تمام رنگ سموئے ہوئے وہی اسٹائلش سوٹ جو اس کی سالگرہ پر دینے کے لیے میں نے بے حد شوق سے خریدا تھا اس وقت میرے ہاتھ میں تھا اور غصے سے میری بری حالت تھی۔میں کل کس کرب سے دوچار تھا... کس کس طرح خود پر ضبط کیا ہوا تھا یہ میں ہی جانتا تھا...؟

لب بھینچتے ہوئے سوٹ میں نے پوری قوت کے ساتھ دیوار پر دے مارا تھا۔اس وقت میں جس قدر طیش میں تھا اگر وہ میرے سامنے ہوتی تو شاید میں اسے بھی یوں ہی دیوار پر دے مارتا۔ کتنی ہی دیر میں کمرے میں ادھر سے ادھر چکراتا پھرا تھا... شدید غم و غصے اور رنج و ملال سے میری بری حالت تھی۔پاگلوں کی طرح کمرے میں چکراتے ہوئے اچانک میری نگاہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتاب میں سے جھانکتے کارڈ پر پڑی تھی۔میں نے ایک جھٹکے سے اسے نکال لیا تھا اور پھر کتنی ہی دیر میں ساکت و جامد کھڑا خالی خالی نگاہوں سے کارڈ پر جگمگاتے ان لفظوں کو گھورتا رہا جو اس وقت مجھے اپنا منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔

مائی لائف !ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

میں اپنا آج، اپنا کل تمہارے نام کرتا ہوں

میں اس جیون کا ہر اک پل تمہارے نام کرتا ہوں

خزاں، سردیاں، گرمی، بہاریں، بارشیں، جاڑا

میں ہر موسم کا ہر پل تمہارے نام کرتا ہوں

میرا گزرا ہوا کل تو میرے ماضی کا حصہ ہے

میں اپنا آج، اپنا کل تمہارے نام کرتا ہوں

تمہارے بن یہ ہر اک پل مجھے بے چین رکھتا ہے

میں اپنا دل جو ہے بے کل تمہارے نام کرتا ہوں

میں نے جنون کے عالم میں کارڈ کے پرزے پرزے کر کے اسے یوں پھینکا تھا کہ ہر طرف اس کے ٹکڑے بکھر گئے تھے۔

اس کارڈ کی طرح میرا دل بھی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ کارڈ کے ٹکڑے ہر طرف بکھرے نظر آ رہے تھے جب کہ اپنے دل کی حالت صرف میں ہی جانتا تھا۔

...☆☆☆...

کل جب میں آیا تھا تو کس قدر خوش تھا، کتنا مسرور تھا، میں نے اپنے آنے کی اطلاع کسی کو نہیں دی تھی۔ ایک دم اس کے سامنے آ کر، اس کی حیرانی سے پھیلی آنکھیں دیکھنے کا خیال مجھے بے حد محظوظ کر رہا تھا۔ حیرت اس کی شفاف آنکھوں کو انوکھا سا دل موہ لینے والا تاثر دیتی تھی۔ مسکراہٹ سے کھلے چہرے اور دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے اس کا دروازہ ناک کیا تھا۔





''یس کم آن۔'' فوراً ہی اس کی دلکش آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ وہ سامنے ڈھیروں کتابیں کھولے کچھ لکھ رہی تھی۔

''اسفند! آپ...'' سیاہ بالوں کے ہالے میں اس کا خوب صورت چہرہ کچھ اور گلابی ہو گیا اور حیرانی سے دلکش آنکھیں میرے دل میں ہلچل مچانے لگی تھیں۔ دل کسی گستاخی پر آمادہ تھا مگر میں نے اسے ڈپٹ دیا اور اس کا حال احوال دریافت کرنے لگا۔ ہاں نگاہیں ضرور اس کے ایک ایک نقش کی بلائیں لے رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی ساری بے پروائی اور بے نیازی بھول کر محجوب سی کھڑی تھی۔ سیاہ ریشمی پلکیں صبیح رخساروں پر لرزتی بے حد حسین منظر پیش کر رہی تھیں۔

''اگر یہ رقیب روسیاہ اجازت دیں تو کچھ ٹائم اس بندۂ ناچیز کی نذر کر دیجیے۔'' میں نے کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے حد شوخی سے اسے دیکھا... اور وہ بنا کچھ کہے میرے پیچھے لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

''کیا پییں گے؟''

''مے دیدار یار۔'' میرا لہجہ بھی مدہوش سا تھا وہ بری طرح سرخ ہو گئی تھی۔

یوں کنفیوز سی وہ مجھے بے حد اچھی اور اپنی اپنی سی لگ رہی تھی اور اپنی تو وہ تھی ہی۔ آخر سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں اس کے جملہ حقوق میں نے اپنے نام کروائے تھے۔

''اچانک کیسے آ گئے آپ؟'' چند پرفسوں لمحوں کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ عجیب ہوتی ہیں یہ شہر کی پڑھی لکھی لڑکیاں۔ مجال ہے جو بندے کو کچھ دیر خوش ہو لینے دیں۔ میں دل میں جھنجلایا تب ہی اس کے سیل فون کی بپ بجی تھی اور وہ معذرت کرتے ہوئے فون سننے لگی۔

"بی ریلیکسڈ فرح پلیز! کچھ بتائو بھی تو..." میں جو میرون قالین میں دھنسے اس کے بے حد سفید سفید پائوں دیکھ رہا تھا۔ اس کے پریشان لہجے پر چونک کر سیدھا ہوا۔

"دیکھو تم آرام سے اس کو ساری بات بتائو وہ ضرور سمجھ جائے گا' ہاں... یہی خامی ہوتی ہے ان مڈل کلاس لوگوں میں۔ ذرا ذرا سی بات کو بہت بڑا مسئلہ بنا لیتے ہیں یہ لوگ۔ اینی وے تم پریشان مت ہو۔ جب تم غلط نہیں ہو تو ڈٹ کر مکمل اعتماد کے ساتھ اسے پوری بات بتائو۔ اگر تم رونی صورت اور لرزتے کانپتے لہجے میں اس سے بات کرو گی تو وہ تمہیں غلط ہی سمجھے گا۔ جب تم نے کوئی جرم نہیں کیا تو تم کیوں بار بار اپنی صفائی دے رہی ہو... افوہ فرح! بہت غصہ آ رہا ہے مجھے تم پر۔" میں جو بڑی محویت کے ساتھ گویا اس کے ایک ایک نقش کو ازبر کر رہا تھا۔ اس کی تیز آواز نے میری محویت کو توڑ دیا۔

پتہ نہیں دوسری طرف کون محترمہ تھیں جسے وہ لمبا چوڑا لیکچر دے رہی تھی۔ میں بے زار ہوا اور اسی بے زاری میں نہ چاہتے ہوئے بھی پوری توجہ سے اس کی باتیں سننے لگا۔

"بس پوری بات اسے بتائو اور سنو۔ اس کے بعد اسے فون مت کرنا۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ جب آج وہ تم پر اعتماد نہیں کر رہا تو کل کیسے کرے گا؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس رشتے پر دوبارہ سے غور کر لو۔ محبت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان خود کو یوں ڈی گریڈ کر لے۔ کم از کم میں تو ایسی محبت کے ہاتھوں کبھی بلیک میل نہ ہوں۔"

میں جو پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا اس کے آخری الفاظ اور چہرے پر پھیلی سختی نے مجھے کچھ بے چین سا کر دیا تھا مگر کیوں... میں سمجھ نہیں پایا اور سمجھ تو میں یہ بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے دل میں میرا کیا مقام تھا... حالاں کہ منگنی سے قبل میں نے اس سے بات کی تھی لیکن اس کے رویے نے مجھے کوئی خاص مطمئن





نہیں کیا تھا۔ اس کے چہرے پر قوس قزح نہیں پھیلی تھی۔ شرم سے پلکیں رخساروں پر سایہ فگن نہیں ہوئی تھیں۔ بس وہ حیران تھی' بے تحاشہ حیران... یوں جیسے میری بات اس کے لیے قطعاً غیر متوقع ہو۔ عجیب من موجی سی' بے پرواسی لڑکی تھی۔

گو میں نے لفظوں میں اپنی محبتوں کو۔ اپنی شدتوں کو بیان نہیں کیا تھا مگر میری نگاہوں سے' سب ادائوں سے تو سب کچھ عیاں تھا پھر محبت ایسا جذبہ کب ہے جو صرف زبان سے ہی بیان کیا جائے تو ظاہر ہو مگر اس کی حیرت تو مکمل بے خبری کا اظہار تھی۔

"اسفند بھائی... آئی مین..." حیرانی سے مجھے دیکھتی وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوئی تھی اور حیرت کا یہ تاثر جو اس کے چہرے کو ایک عجیب سی دلکشی عطا کر رہا تھا۔ پہلی بار مجھے اچھا لگا تھا۔

"دیکھئے ناں... یہ فیصلے اتنی جلدی تو نہیں ہوتے اور پھر میں تو ابھی گریجویشن کر رہی ہوں۔ شادی کے بارے میں تو ابھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ ماسٹرز کرنے کے بعد "...

"صاف کہو میں تمہیں پسند نہیں..." میری انا کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔

"نہیں' نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔"

"یہی بات ہے۔"

"کمال ہے۔ آپ جانے کیوں ایسا سمجھ رہے ہیں۔ اچھا فیملی بیک گرائونڈ... ہائیلی ایجوکیٹیڈ' ہینڈسم اور ویل ڈریسڈ' آپ کو کون ناپسند کر سکتا ہے۔" اس نے فوراً کہا تھا اور میرا دل جیسے کچھ اور بوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے عجیب سی کیفیت میں گھرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کسی کی نہیں تم اپنی بات کرو۔" میرا لہجہ خود بخود اکھڑا سا ہو گیا تھا۔

"اپنی..." اس نے بغور مجھے دیکھا تھا۔اوپر سے نیچے تک... یوں کہ ایک لمحے کے لیے تو میں نے خود کو بالکل چغد محسوس کیا تھا۔

"خاصے ہیرو ٹائپ بندے لگ رہے ہیں۔اوپر سے ہماری پیاری پھپھو جانی کے لاڈلے بیٹے ہیں' اب آپ کو ناپسند تو نہیں کیا جا سکتا نا... مجبوری ہے..." شوخ سے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے آنکھوں میں شریر سی چمک لیے مجھے دیکھا تھا۔نم نم سے گلابی لبوں پر دبا دبا تبسم تھا۔میرا دل ایک دم کھل اٹھا تھا اور میں نے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا تھا۔

"لیکن یاد رہے... شادی کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔میرے ماسٹرز کرنے تک۔" اس نے انگلی اٹھاتے ہوئے کہا تھا اور چند لمحوں کے لیے میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مجھے اس کی یہ بے باکی بری نہیں لگی تھی لیکن میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ ایک لمحے کو وہ شفق رنگ چہرے کے ساتھ پلکیں جھکا کر کھڑی ہو جاتی... مگر مجھے لگتا تھا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اسے جیسے شرمانا آتا ہی نہیں تھا۔

"سوری اسفند! آپ بور ہو رہے ہوں گے۔" یہ فرح تھی۔

"مائے بیسٹ فرینڈ... آپ اس سے نہیں ملے۔جب ہماری منگنی ہوئی تھی تو یہ لندن گئی ہوئی تھی۔بہت پیاری سی ہے۔آپ سے ملواتی لیکن آج کل بے حد پریشان ہے۔"



مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیوں پریشان ہے؟" مجھے یہ پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا جب کہ اس کی باتوں سے معاملے کی نوعیت کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں شکی مزاج شخص کے ساتھ کبھی شادی نہیں کرنی چاہیے' نہ تو وہ خود خوش رہتا ہے نہ بیوی کو رہنے دیتا ہے۔یہ کوئی بات ہے کہ انسان محبت کا دعویٰ بھی کرے اور محبوب پر بھروسہ بھی نہ کرے حالاں کہ اعتماد تو محبت کی اولین شرط ہے۔آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے پوچھا تھا۔میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہماری مشترکہ فرینڈ ہے شمائلہ۔ان کا گھرانا پرانے خیالات رکھتا ہے۔اس کا نکاح اپنے کزن سے ہو چکا ہے مگر ملنے ملانے پر پابندی ہے۔اس نے ویلنٹائن ڈے پر فرح کے توسط سے پھول اور گفٹ شمائلہ کو بجھوائے تھے۔یہ چیزیں دیتے ہوئے فرح کے منگیتر محسن نے اسے دیکھ لیا۔بس ساری محبت... سارے وعدے ختم..." وہ طنزیہ ہنسی تھی۔

"کیا بس اتنی ہی ہوتی ہے آدمیوں کی محبت... جھاگ کے بلبلے کی مانند۔" اس نے ایک دم میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سب کی نہیں مائی ڈیئر۔" محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا تھا۔

اس لمحے میری آنکھوں میں محبت کا جو ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن تھا اس سے اس کا بچ نکلنا کیسے ممکن تھا لیکن وہ بڑے آرام سے بچ نکلی تھی۔

"میں آپ کے لیے کچھ منگواتی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ کچن کی جانب بڑھ گئی اور میں عجیب سی تشنگی میں گھرا اس کی پشت دیکھتا رہ گیا تھا۔

"آخر وہ کھلتی کیوں نہیں ؟اس کے دل میں جو کچھ ہے ظاہر کیوں نہیں کرتی...؟اس کا رویہ عام لڑکیوں سے اس قدر مختلف کیوں ہے لیکن عام لڑکی تھی کب...؟" میرے دل نے تاویل دی تھی۔ فوراً وہ ٹرے اٹھائے مسکراتے ہوئے واپس آئی تھی۔

"یہ تنویر بھی بڑے کام کا آدمی ہے۔ دیکھا آپ نے کس قدر ایکٹیو ہے ہمارا شیف۔ آج بیلا اور کاشف بھائی لنچ پر آرہے ہیں اور کھانے کے علاوہ ٹائم کوئی بھی ہو آپ کی پسند ایک ہی ہے۔" انار کے جوس کا گلاس میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا اور عین اسی لمحے باہر سے آفاق ماموں کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ممانی جان دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں اور میں جو چند لمحے اکیلے میں اس کے پاس بیٹھنا چاہتا تھا اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر میرے پاس بیٹھنے اور سب کا حال احوال پوچھنے کے بعد ماموں اور ممانی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آپ فریش ہو جائو اسفند! بیلا اور کاشف بھی پہنچنے والے ہوں گے اور آفاق آپ ذرا فون تو کریں۔ یہ نویلہ اور عارض کہاں رہ گئے ہیں..." ممانی جان نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ ماموں بھی سیل فون پر نمبر پش کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"میں نے رشک سے انہیں دیکھا تھا۔ مجھ سے بھی نکلتے ہوئے قد کے ساتھ آرمی کی فل یونیفارم میں وہ بے حد وجیہہ وشکیل اور جوان لگ رہے تھے۔ کسی طرح بھی تو نہیں لگتا تھا کہ وہ چار نوجوان بچوں کے والد ماجد تھے۔ شاور لینے کے بعد خاصی دیر میں نے تیار ہونے میں لگائی تھی ورنہ عموماً میری تیاری صرف چند منٹ کی ہوتی تھی۔

"میں اپنا آج اپنا کل تمہارے نام کرتا ہوں۔ میں اس جیون کا ہر اک پل تمہارے نام کرتا ہوں۔"





گنگناتے ہوئے میں نے آخری بار آئینے میں اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی تھی اور بے حد مسرور انداز میں کمرے سے نکل آیا تھا۔ میرے بہکے بہکے قدم زمین پر تھے لیکن دل جیسے ہوائوں میں اڑ رہا تھا لیکن آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی زمین نے جیسے میرے قدموں کو جکڑ لیا تھا یا پھر کسی غیر مرئی طاقت نے میرے وجود کو پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔ میں نے ہٹنا چاہا تھا اس منظر سے مگر کامیاب نہیں ہوا تھا۔

شاید یہ کوئی ڈرائونا خواب ہو' میں پلکیں جھپکوں اور یہ منظر غائب ہو جائے مگر نہیں...نہ یہ کوئی خواب تھا نہ خیال تھا... یہ ایک اٹل اور بے حد تلخ حقیقت تھی۔

سامنے صوفے پر اس بے حد اسمارٹ سے لڑکے کے کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھی وہ ازابیلا ہی تھی۔ اس کا ہاتھ اس لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے چہرے کی بے تحاشہ چمک' آنکھوں کی انوکھی سی دمک' پلکوں کی کپکپاہٹ... محبتوں کی شدتوں اور جذبوں سے معمور میرا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا جو کچھ نظر آرہا تھا جو کچھ میرا دماغ مجھے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ میں اسے جھٹلانا چاہ رہا تھا

مگر جھٹلا نہیں پا رہا تھا۔

اور لڑکے نے جانے کیا کہا تھا کہ اس کے لب مسکرانے لگے تھے اور میری نگاہ ان مسکراتے لبوں پر جم کر رہ گئی تھی۔ شرمیلی سی وہ مسکان جسے دیکھنے کے لیے میری آنکھیں ترس کر رہ گئی تھیں۔ اس کے لبوں پر سجی تھی مگر کسی اور کے لیے۔ میرے ارد گرد جیسے اک الائو دہک اٹھا تھا جس میں ہر جذبہ جل کر خاکستر ہونے کو تھا۔

میں نے اپنی تمام تر توانائیوں کو مجتمع کرتے ہوئے اپنے جسم کو حرکت دی تھی اور قدموں کو گھسیٹتے واپس سیڑھیاں چڑھ کر گیسٹ روم میں چلا آیا تھا۔ میرے خون میں جیسے ابال سے اٹھ رہے تھے۔ لب دانتوں سے کچلتے ہوئے مٹھیاں بری طرح بھینچتے ہوئے میں خود پر قابو پانے کی سعی کر رہا تھا ورنہ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ

ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دوں۔ مار مار کر اس کا خوب صورت چہرہ بگاڑ دوں اور اپنا دل... جو اس لڑکی کا اسیر تھا اسے نوچ کر پھینک دوں... مگر کچھ بھی تو میرے بس میں نہیں تھا سوائے اپنی رائیگاں محبتوں کے ماتم کے...

...☆☆☆...

''صاحب جی! کھانے پر سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' شیف مجھے دوسری بار بلانے آیا تھا۔

بھوک کس کافر کو تھی اور پھر جو بندہ غم کھا رہا ہو اور غصہ پی رہا ہو اور اسے کسی اور چیز کی حاجت ہی کہاں ہوتی ہے مگر سب لوگ کھانے پر میرا انتظار کر رہے تھے تو مجھے جا کر کچھ نہ کچھ زہر مار کرنا ہی تھا کیونکہ مجھے یہ قطعا گوارا نہیں تھا کہ مجھے گائوں کا گنوار سمجھا جائے۔ بالوں میں برش پھیرتا خود پر جبر کر کے میں کمرے سے نکل آیا تھا۔

''السلام علیکم!'' ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے میں نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا پھر فرداً فرداً سب سے ملا تھا۔

''کیا بات ہے اسفند! کچھ سست سست سے لگ رہے ہو؟ کیا ہوا ہے؟'' میرے چیئر پر بیٹھتے ہی آفاق ماموں نے پوچھا تھا اور ٹیبل پر یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ سب کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اندر ہی اندر شدید جھنجلاہٹ محسوس کرتا بظاہر میں شائستگی سے مسکرایا تھا اور پھر تھکن کا عذر تراشتے ہوئے تھوڑا سالن اور سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بے دلی سے کھانے لگا تھا۔





کسی کی نگاہوں کی تپش مجھے مسلسل اپنے چہرے پر محسوس ہوتی رہی تھی اور یہ نگاہیں کس کی تھیں میں بخوبی جانتا تھا۔ ضبط کی تمام تر کوشش کے باوجود میری پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی اور کنپٹیاں بری طرح سلگنے لگی تھیں۔ میں نے بمشکل چند لقمے زہر مار کیے تھے اور معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اٹھتے ہوئے میری نگاہ غیر ارادی اس کی نگاہوں سے جا ٹکرائی تھی۔ وہ الجھن آمیز نگاہوں سے مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنے چہرے پر پھیلتی بیزاری اور ناگواری کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی اور سر جھٹکتے ہوئے ڈائننگ روم سے نکل آیا تھا۔ اس وقت میرا ذہن شدید اضطراب و انتشار کا شکار تھا کسی بھی قسم کا استفسار گوارا نہیں تھا۔ اس وقت میرا دل کسی سے ملنے یا کسی قسم کی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لیے میں موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھاتا چپکے سے باہر نکل آیا تھا۔ ہاں چوکیدار کو اندر بتانے کا کہہ دیا تھا۔

پھر سیاہ بل کھاتی سڑک پر گاڑی دوڑاتا خالی الذہنی کی سی کیفیت میں جانے کسی طرف نکل آیا تھا بغیر سوچے سمجھے کیسے جانے والے کاموں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ سڑک کے کنارے گاڑی روکتے ہوئے میں نے سوچا تھا۔ ژالے سے تعلق جوڑتے ہوئے بھی تو میں نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ دل کے معاملے میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے لیکن زندگی کے فیصلے اگر عقل کو پسِ پشت ڈال کر صرف دل کی خواہش پر لبیک کہتے ہوئے کیے جائیں تو خسارہ یوں ہی مقدر بن جاتا ہے جیسے میرا بنا تھا۔ کتنا سمجھایا تھا بی جان نے مجھے۔

''اسفند بے شک ژالے میرے بھائی کی بیٹی ہے لیکن اس کے اور ہمارے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یاد رکھو ماحول کا اتنا فرق زندگی کے ہر معاملے میں مشکلات پیدا کرتا ہے۔ ابھی تو تمہیں محبت کے جوش میں محسوس نہیں ہو رہا لیکن بعد میں یہی فرق ایک خلیج بن سکتا ہے۔ ایسی خلیج جسے مٹانا تم دونوں کے لیے مشکل ہو جائے گا۔'' وہ مجھے سمجھا رہی تھیں لیکن میں جیسے کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کچن کی طرف لے گئی تھیں۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔

"خاموشی سے ماسی برکتے کو نماز پڑھتے دیکھو پھر تم سے بات کرتی ہوں۔" میں اچنبھے سے کچن کی پچھلی طرف بنے برآمدے میں نماز پڑھتی ماسی برکتے کو دیکھنے لگا تھا۔ پتہ نہیں بی جان کو کیا خیال آیا تھا ماسی برکتے کو دیکھنے لگا تھا پتہ نہیں بی جان کو کیا خیال آیا تھا۔ ماسی برکتے نماز پڑھ رہی تھی۔ برسوں سے پڑھتی تھی اس میں ایسی کون سی انوکھی بات تھی۔ ادھر ماسی برکتے نے سلام پھیرا تھا ادھر بی جان مجھے واپس لے آئی تھیں۔

"ہاں کیا دیکھا تم نے... کیسی نماز پڑھ رہی تھی؟"

"ویسے ہی جیسے سب پڑھتے ہیں۔"

"پھر تم نے غور نہیں کیا... رکوع سے سیدھی کھڑی نہیں ہوئی کہ سجدے میں چلی گئی اور سجدے سے اٹھ کر سیدھا ہو کر بیٹھنے کے بجائے ذرا سا سر اوپر کر کے دوبارہ ٹھک سے سجدے میں... جب کہ میں نے اسے کئی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع و خضوع سے بھی پڑھے، کھڑا پورے وقار سے ہو پھر اسی طرح رکوع و سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان کے ساتھ کرے۔ غرض ہر چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن اور چمک دار بن جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی... اور جو شخص نماز کو برے طریقے سے پڑھے۔ وقت کا بھی خیال نہ رکھے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع اور سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے تو وہ نماز بری صورت سے سیاہ رنگ میں نمازی کو بد دعا دیتی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے... جب بھی میں یہ حدیث یاد دلاتے



مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہوئے برکتے کو سمجھاتی ہوں۔ یہ ڈرتی ہے، خوفزدہ ہوتی ہے اور آئندہ نماز ٹھیک پڑھنے کا عہد کرتی ہے لیکن اگلے دن پھر ٹھیک سے نہیں پڑھتی کیوں...؟

اس کے پاس جواز ہے۔ بی بی ساری زندگی اپنی بے بے کو یوں ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ خود بھی یوں ہی پڑھی ہے۔ یاد ہی نہیں رہتا اور ویسے ہی پڑھ جاتی ہوں۔ اتنی پرانی عادت ہے آہستہ آہستہ ہی بدلے گی تو اسفند میرے بچے۔ برسوں کی عادت چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ اللہ کے خوف سے بھی مشکل پیش آتی ہے تو ویسے تو... پھر تم اور ژالے دونوں ہی بے حد جذباتی ہو... دونوں میں تحمل نام کو نہیں پھر تمہارا ارادہ بھی یہیں زمینوں پر کام کرنے کا ہے۔ نہیں اسفند مجھے یہ کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا میرے بچے۔"

لیکن میں تو جیسے پاگل ہو رہا تھا۔ دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ صرف اور صرف ژالے... ہر بات کے جواب میں میرا پاگل پن یہی پکارتا تھا۔ ہر طرف مجھے اسی کا چہرہ نظر آتا تھا۔ اپنی طرف بلاتا تھا اور میں خود پر سے جیسے ہر اختیار کھو چکا تھا جو لپکا چلا جاتا تھا۔

محبت شاید نام ہی بے اختیاری کا ہے ورنہ شریک حیات کے لیے تو میرے ذہن میں ایک دھیمے مزاج کی، سلجھی ہوئی کچھ شوخ اور قدرے سنجیدہ سی لڑکی کا تصور تھا کہ میرے ماحول سے وہی میچ کرتی تھی۔ میری بی جان کے معیار پر وہی پوری اترتی تھی لیکن بات جب محبت کی آ جائے تو انسان ذات پات، شکل و صورت، عادات و اطوار اور معیار سب بھول جاتا ہے۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا تھا۔

اپنی زندگی کا وہ خوب صورت ترین دن جو اب مجھے بدصورت ترین لگ رہا تھا تمام تر جزئیات کے ساتھ میرے ذہن کی اسکرین پر محفوظ تھا۔ بی جان ٹھیک نہیں تھیں اور بابا جان احمد بھائی سے ملنے انگلینڈ گئے ہوئے تھے۔ ایسے میں خالہ زاد بیلا کی شادی میں شرکت کی ذمہ داری بی جان نے مجھے سونپی تھی... میں ایسی

تقریبات میں شرکت کا شوقین نہیں تھا لیکن اب ایسی بھی بات نہیں تھی کہ ضرورت کے تحت بھی شریک نہ ہوتا۔ کسی نہ کسی کو تو شرکت کرنا تھی۔ باباجان اور بی جان کے بعد میں ہی بچتا تھا۔

میرا ارادہ تو صرف شادی میں شرکت کا تھا لیکن بی جان کے اصرار کی وجہ سے مجھے مہندی کی تقریبات میں شرکت کرنا پڑی تھی۔ راستے میں میری گاڑی خراب ہو گئی تھی اور میں چونکہ گھر سے ایسے ٹائم پر نکلا تھا کہ بمشکل تقریب سے کچھ پہلے پہنچتا... اب اچھا خاصا لیٹ ہو گیا تھا اور اس وقت گیٹ پر گاڑیوں کی لمبی قطار کے پیچھے گاڑی روکے شدید جھنجلاہٹ کا شکار تھا کیونکہ گیٹ کے اندر مہندی سے سجے تھال اٹھائے لڑکیاں صاف نظر آرہی تھیں۔

میں نے ایک نظر اپنے کپڑوں پر ڈالی تھی۔ چار گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد میری نفاست پسند طبیعت کو قطعاً گوارا نہیں تھا کہ میں اس حلیے میں ان سب سجی سجائی لڑکیوں کے سامنے جا کھڑا ہوتا مگر یوں گاڑی پارک کیے ان سب کے نکلنے کا انتظار بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے میں کچھ دیر رنگ برنگے پیراہنوں میں لپٹے دلکش اور حسین چہروں کو دیکھتا رہا تھا پھر بے خیالی میں گاڑی گیٹ کے سامنے لے آیا تھا اور گاڑی رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر میرے برابر آبیٹھی تھی۔ شہد رنگ بالوں کے ہالے میں چمکتا دمکتا چہرہ اور خوشبوؤں میں بسا سراپا... میں حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”اوہ گاڈ! ایرج بھائی رئیلی مجھے تو آپ پر ترس آرہا ہے کہ کہاں دل لگایا ہے آپ نے... اس قدر سست ہیں تابی آپی... توبہ جیسے آرہی ہیں نا تو ابھی یہ سیٹ ان بنیش بی بی نے کور کر لینی تھی۔“ ایک ہی سانس میں کہتی ہوئی وہ مڑی تھی اور پھر اس کا منہ ایک دم بند ہوا تھا۔ پھیلی پھیلی نگاہوں سے مجھے دیکھتی وہ جیسے پتھر کا مجسمہ بن گئی تھی۔





اور میرا دل... بس اس ایک لمحے میں... صرف ایک پل میں ان حیران سے پھیلی آنکھوں میں کھو گیا تھا۔ میں سحر زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے سراپا سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو مجھے بے خود کیے دے رہی تھی تب ہی جیسے ایک دم اس پتھر کے مجسمے میں جان پڑ گئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا اور بنا میری طرف دیکھے تیزی سے گاڑی سے اتر گئی تھی۔ ایک قدم آگے

بڑھایا تھا پھر جانے کیا خیال آیا تھا یا میرے دل کی طلب تھی جو واپس کھینچ لائی تھی۔

”آئی ایم سوری۔ ایکچوئیلی ایرج بھائی کے پاس بھی بلیک کرولا ہے تو جلدی میں، میں یہ سمجھی کہ شاید وہ...“ بے حد اعتماد سے کہتے کہتے وہ یک دم خاموش ہوئی تھی۔ شاید میرے کھوئے کھوئے اور بے خود سے انداز نے چونکایا تھا کہ جیسے تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے پلٹ گئی تھی لیکن میرا دل بھی جیسے اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔

حالاں کہ ایک سے ایک خوب صورت لڑکی وہاں موجود تھی لیکن پوری تقریب کے دوران بس وہی میری توجہ کا مرکز و محور بنی رہی تھی...نہ دل کہیں اور مائل ہوا اور نہ نگاہ کہیں اور اٹھی تھی اور کہاں تو رخصتی کے فوراً بعد میرا ابھی رخصت ہونے کا پروگرام تھا اور کہاں ولیمے کے بعد بھی کام کا بہانہ کر کے دو دن میں وہیں دھرنا دے رہا تھا۔ حالاں کہ میں جانتا تھا کہ میری بی جان اور باباجان کے نزدیک اپنی بہو کا تصور اس سے یکسر مختلف تھا... مگر میرا دل... یہ تو جیسے کسی ضدی بچے کی طرح مچل مچل کر اپنی ہی منوانا چاہتا تھا اور پھر اس نے اپنی منوا کر ہی چھوڑی تھی اور ٹھیک چار ماہ کے بعد جب میں نے ایک شاندار سی تقریب میں اسے منگنی کی انگوٹھی پہنائی تھی تو یوں شاداں فرحاں تھا جیسے پوری دنیا فتح کر لی تھی۔

کس قدر نادان تھا میں' کیسا گھاٹے کا سودا کیا تھا میں نے... کہاں دل لگایا تھا... کس قدر آرام سے دھوکا کھایا تھا جس قدر سوچتا تھا غم وغصہ بڑھتا تھا... لیکن کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور نہ سمجھ میں آنے والی تو یہ بھی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا تھا... اگر وہ کسی اور کو چاہتی تھی تو اس نے مجھے کیوں اپنایا تھا؟ آخر اسے کیا مجبوری تھی...جب کہ اس پر کوئی زبردستی' کسی قسم کا جبر اور کوئی دباؤ نہیں تھا... میں نے خود اس سے اس کی رائے لی تھی...اس نے اپنی مرضی سے... اپنی خوشی سے... مگر خوشی کا اظہار کب کیا تھا اس نے... یہ تو میں پاگل تھا جو اپنے پاگل پن میں جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا اور اب دل کے زیاں پر ماتم کناں تھا۔

...☆☆☆...

اس وقت لان میں ماموں' ممانی' نویلہ' عارض بھائی' بیلا اور کاشف بیٹھے تھے جب اس کے سیل فون کی بپ بجی تھی۔اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکالا تھا۔نمبر پر نگاہ ڈالی تھی اور پھر اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ یقیناً اسی لڑکے کا فون تھا۔میرے خون میں جیسے ابال سے اٹھنے لگے تھے۔لب دانتوں تلے کچلتے ہوئے جانے کیسے میں نے اندر کی کیفیت پر قابو پایا تھا ورنہ دل تو یہ چاہ رہا تھا ہر چیز کو تہس نہس کر دوں۔مار مار کر اس کا خوب صورت چہرہ بگاڑ دوں یا پھر اپنا دل... جو اس لڑکی کا اسیر ہوا تھا اسے نوچ کر کہیں پھینک دوں۔

مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے ضبط کرنے کے... اور خود پر جبر کرنے کے سوا اس وقت کچھ نہ تھا جب کچھ دیر بعد وہ ہنستی مسکراتی میرے کمرے میں آئی تھی۔

"اسفند! آپ آ نہیں رہے؟ سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں...رضی اور ایمی بھی آ گئے ہیں۔عارض بھائی کی جیب خالی کروانے کا پروگرام ہے سب کا... جلدی سے آجائیں ابھی راستے میں انی کو بھی پک کرنا ہے"...





"محترمہ آپ تشریف لے جائیں۔مجھے کہیں نہیں جانا اور دوبارہ اس کمرے میں آنے سے گریز کیجیے گا۔میں اپنی پرائیوسی میں ہر کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔" کاٹ دار نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے میں نے انتہائی درشت لہجے میں کہا تھا۔وہ چند لمحے ہکابکا سی مجھے دیکھتی رہی تھی پھر ایک دم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

اگلے دن میں رات گئے واپسی کے ارادے کے ساتھ صبح سویرے گاڑی لے کر نکل گیا تھا۔موبائل میں نے آف کر دیا تھا تا کہ میرے نہ پہنچنے پر سب بار بار فون نہ کریں...آخر میں اسپیشل اس کی سالگرہ پر تو اتنی دور سے آیا تھا... لازماً وہ سب میرا انتظار کرتے اور میرے نہ آنے پر مجھ سے رابطے کی سعی کرتے لیکن مجھے اب کسی کی پروا نہیں تھی۔

رات گئے جب میں گھر لوٹا تو مارے تھکن کے میرا برا حال تھا۔گاڑی پورچ میں کھڑی کرتے ہوئے میں جلد از جلد اپنے کمرے میں پہنچ کر بستر پر گر جانا چاہتا تھا۔لائونج کا دروازہ کھول کر تھکے تھکے قدموں سے میں اندر داخل ہوا تھا اور اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا۔تب ہی میری نگاہ اٹھی تھی اور اس کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے نظر آتے منظر نے میرے قدموں کو ساکت کر دیا تھا۔خون میری کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا تھا۔وجود میں جیسے ابال سے اٹھنے لگے تھے۔شدید طیش کی حالت میں' میں تیزی سے آگے بڑھا تھا پھر بری طرح ٹھٹک گیا تھا۔

"فرح کی بچی! اسٹوپڈ کیا خود کو بھی ان سگرٹوں کے ساتھ پھونکنے کا ارادہ ہے؟" سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے وہ تیز آواز میں کہہ رہی تھی اور میں حیران وششدر سا جینز اور ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں ملبوس' بوائے کٹ بالوں والی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کو سائیڈ سے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ لڑکی ہے۔

میں ایک دم جیسے ہلکا پھلکا ہو کر ہوائوں میں اڑنے لگا تھا لیکن یہ کیفیت چند لمحے ہی رہی تھی۔ اپنا گزشتہ رویہ یاد آتے ہی اس کے بارے میں، میں کیا کیا سوچتا رہا تھا... کس قدر بدگمان ہو گیا

تھا یہ خیال آتے ہی احساسِ ندامت سے میرا سر جھک گیا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی کہ انسان محبت کا دعویٰ بھی کرے اور محبوب پر اعتماد بھی نہ کرے حالاں کہ اعتماد تو محبت کی اولین شرط ہے۔" اس نے کہا تھا اور میں سو فیصد اس سے متفق تھا پھر میں نے یہ کیا کیا تھا... بالکل فرح کے منگیتر محسن والا کردار ادا کیا تھا... اور اگر وہ یہ سب جان لے تو... اس سوچ کے ساتھ ہی میری پیشانی نم سی ہو گئی تھی تب ہی میری نگاہیں اٹھی تھیں اور لائونج کی آرائش سے ہوتی ہوئی دیوار پر جم گئی تھیں۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو ژالے۔"

میرے لبوں نے بے آواز پڑھا تھا اور ندامت کے ساتھ ساتھ ایک گہرا املال بھی آن ملا تھا۔ کتنے خوب صورت لمحے تھے جو اپنی بدگمانی کی نذر کر دیے تھے میں نے... تاسف سے سوچتے ہوئے میں دبے پائوں واپس پلٹا تھا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ میں اپنی نگاہوں میں بے شک چھوٹا ہو گیا تھا لیکن اس کی نگاہوں میں سر بلند رہنا چاہتا تھا۔

گیٹ سے نکلتے ہی گاڑی کو فل اسپیڈ سے دوڑایا تھا۔

مجھے جلد از جلد کیک اور ڈھیر سارے پھول خریدنے تھے۔ کارڈ خریدنا تھا اور اس پر وہ خوب صورت اشعار لکھنے تھے جو میں پھاڑ کر پھینک چکا تھا لیکن میرے دل پر لکھے ہوئے تھے۔





اس قدر لیٹ ہونے پر، موبائل کے آف ہونے پر... کوئی موزوں سا عذر تراشنا تھا اور خود سے عہد کرنا تھا کہ آئندہ اس کے اور میرے درمیان کوئی غلط بیانی ہو گی نہ بدگمانی... کام زیادہ تھے اور وقت کم تھا لیکن شکر کا مقام یہ تھا کہ گزرا نہیں تھا۔

ختم شد